حقیقتِ ذاکر نائیک

فتویٰ دارالعلوم دیوبند کی روشنی میں

ناشر: امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اکیڈمی، مالیگاؤں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتویٰ نمبر: 448=122/د دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

معزز مفتیان، دارالعلوم دیوبند زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرا سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کیسے آدمی ہیں؟ کیا ان کے عقائد اہل السنّت والجماعت کے موافق ہیں؟ حدیث اور تفسیر قرآن میں ان کی رائے قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ نیز فقہ میں ان کا مسلک کیا ہے؟ وہ کس امام کی مقلد ہیں؟ ہم ان کی باتوں کو سن کر ان پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ از راہ کرم تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی:

ریاض احمد خان

عالیہ پرنٹرس، اترسوئیا (الٰہ آباد)

موبائیل 9794867772

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب سے متعلق اکثر سوالات آتے رہتے ہیں۔ استفتاء ہٰذا بھی اسی سلسلے کا ایک سوال ہے، اس میں ڈاکٹر صاحب کے عقائد ان کا فقہی مسلک اور قرآن وحدیث سے متعلق ان کی تشریحات کے بارے میں تفصیلی جواب کی درخواست کی گئی ہے۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب کی تقریر وتحریر کی روشنی میں ایک مفصل جواب لکھا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،

حامداومسلماء الجواب و باللہ التوفیق والعصمۃ.

ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کے بیانات میں صحیح عقیدے سے انحراف، قرآن کریم کی تفسیر میں تحریف ومن مانی، سائنسی تحقیقات سے مرعوبیت، اسلام مخالف مغربی افکار سے ہم آہنگی اور فقہی مسائل میں سلف صالحین اور جمہور امت کی راہ سے روگردانی جیسی گمراہ کن باتیں پائی جاتی ہیں، نیز وہ امت مسلمہ کو ائمہ مجتہدین کی اتباع سے پھیرنے، دینی مدارس سے برگشتہ کرنے اور علمائے حق سے عوام کو بدگمان کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ذیل میں ان کی گمراہ کن باتوں میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عقیدہ (جو ایک انتہائی نازک چیز ہے، جس میں تھوڑی سے بھی لغزش بسا اوقات ایمان کے لیے خطرہ بن جاتی ہے) سے متعلق ڈاکٹر صاحب کی چند باتیں۔

(الف) ”وشنو اور برہما کے ذریعے اللہ کو پکارنا جائز ہے۔“

ڈاکٹر صاحب ایک پروگرام میں فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ کو ہندوؤں کے معبودان کے نام سے پکارنا جائز ہے، جیسے ”وشنو“ بمعنی رب اور ”برہما“ بمعنی ”خالق“، اس شرط کے ساتھ کہ وشنو کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ اس کے چار ہاتھ ہیں اور پرندے پر سوار ہیں۔“ [اسلام اور عالمی اخوت: ۳۳، از ڈاکٹر ذاکر نائک)

حالاں کہ غیر عربی زبان کے ان ہی الفاظ سے اللہ کو پکارنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوں، ان کے علاوہ سے جائز نہیں تو ”وشنو“ اور ”برہما“ جو ہندوؤں کے شعار ہیں ان سے اللہ کو پکارنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

وہ عربی زبان اوراس کے قواعد سے کماحقہ واقف ہیں اور نہ ذخیرۂ حدیث پر گہری نظر ہےاور نہ ہی فصاحت و بلاغت سے کوئی زیادہ واقفیت ہے۔ (ذیل کی مثالوں سے یہ باتیں واضح ہوجائیں گی) جب کہ تفسیر میں گمراہی میں پڑنے کے جتنے اسباب ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے منقول تفسیروں سے روگردانی، زمانے کے افکار سے مرعوبیت اور قرآن کریم کے موضوع کو غلط سمجھنا وغیرہ، ڈاکٹر صاحب کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہیں؛ اسی لیے انھوں نے دسیوں آیتوں کو اپنی ناواقفیت سے مشقِ ستم بنایا؛ ذیل میں چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

(الف) آیت کریمہ ﴿الرجال قوامون علی النسآء﴾ کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں کہ لفظ ''قوام'' کا معنی ایک درجہ اوپر ہونے کے ہیں، لیکن اصل ''قوام'' ،''اقامۃ'' سے نکلا ہے، ''اقامۃ'' کا مطلب کھڑا ہونے کے ہیں۔ لہٰذا ''اقامۃ'' کا مطلب ہوا کہ ایک درجہ ذمے داری میں اونچا ہے ، نہ فضیلت میں۔[خطبات ذاکر نائک: ۲۹۵،م: فرید بک ڈپو دہلی)

ڈاکٹر صاحب نے مغربی نظریۂ مساوات کی تائید میں قرآنی کی من مانی تفسیر کرتے ہوئے مردوں کے ایک درجہ فضیلت میں اونچا ہونے کی نفی کردی، جب کہ امت کے بڑے بڑے مفسرین نے فضیلت میں اونچا ہونے کا معنی بیان کیا ہے، چنانچہ ابن کثیر نے ﴿الرجال قوامون علی النساء﴾ کے تحت لکھا: ای الرجل قیم علی المراۃ ای رئیسھا وکبیرھا والحاکم علیھا، مؤدبھا اذا اعوجت (یعنی مرد کی حیثیت اس کی بیوی کے سامنے حاکم اور سردار کی ہے، ضرورت محسوس ہونے پر شوہر بیوی پر مناسب تادیب بھی کرسکتا ہے۔ نیز آیت کریمہ ﴿وللرجال علیھن درجۃ﴾ کی تفسیر میں ابن کثیر نے لکھا ہے: وللرجال علیھن درجہ ای فی الفضیلۃ فی الخلق و المنزلۃ وطاعۃ الامر والانفاق والقیام بالمصالح والفضل فی الدنیا والآخرۃ (۱/ ٦١٠) یعنی شوہر بیوی سے فضیلت، رتبہ، اطاعت

وغیرہ میں ایک درجہ اونچا ہے، نیز ڈاکٹر صاحب کی تفسیر حدیث نبوی، لو کنت آمرا احدا ان یسجد لاحد، لامرت النساء ان یسجدن لازوجھن[آخرجه ابو دائود] یعنی اگر اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کریں، کے خلاف ہے، اس لیے کہ اگر دونوں فضیلت میں برابر ہوتے اور شوہر کو عورت پر کوئی برتری حاصل نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو اپنے شوہروں کو سجدہ۔ جو انتہائی تعظیم ہے کا حکم کیوں دینے والے تھے۔

(ب) ڈاکٹر صاحب، ایک سوال: (قرآن کریم میں ہے کہ کسی ماں کے رحم میں موجود بچے کی جنس صرف اللہ کو معلوم ہے، مگر اب سائنس کافی ترقی کرچکا ہے اور ہم آسانی سے الٹراسونوگرافی کے ذریعے ''جنین'' کی تعین کرسکتے ہیں، کیا یہ قرآنی آیت، میڈیکل سائنس کے خلاف نہیں ہے؟ کے جواب میں فرماتے ہیں:

..........''یہ صحیح ہے کہ قرآن کی اس آیت کے مختلف ترجمے اور تشریحات میں کہا گیا ہے کہ صرف اللہ سبحان وتعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں موجود بچے کی جنس کیا ہے؟ مگر آیت کا عربی متن ملاحظہ کریں تو دیکھیں گے کہ انگلش کا لفظ (Sex) کا کوئی عربی متبادل استعمال نہیں ہوا، اصل میں قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ ہے کہ رحموں میں کیا ہے؟ اس کا علم صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کو ہے، کافی مفسرین کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے اس کے یہ معنی مراد لیا ہے کہ اللہ ہی ماں کے رحم میں بچے کی جنس کو جانتا ہے، یہ درست نہیں ہے، یہ آیت جنین کی جنس کی طرف اشارہ نہیں کرتی، بلکہ اس کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ماں کے رحم میں موجود بچے کی فطرت کیسی ہوگی؟ وہ کیا اپنی ماں باپ کے لیے باعثِ رحمت ہوگا یا عذاب؟'' [اسلام پر چالیس اعتراضات: ۱۳۰، از ڈاکٹر ذاکر نائک، م: اریب پبلیکیشنز، دہلی]

ڈاکٹر صاحب نے یہاں پر سائنسی تحقیق سے مرعوب ہوکر، اس سے پیدا ہونے والی سرسری

اعتراض سے بچنے کے لیے قرآن کی دوسری آیت اور صحابہ وتابعین سے منقول تفسیر کو پس پشت ڈالتے ہوئے، ایک معروف معنی کا انکار کردیا اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید اور ان کی تغلیط کرڈالی۔ ڈاکٹر صاحب نے جو معنی بیان کیا ہے 'ما' موصولہ کے عموم میں آسکتا ہے اور بہت سے مفسرین نے ایک احتمال کے طور پر، پہلے معنی کے ضمن میں اس کا بھی ذکر کیا ہے؛ لیکن دوسرے معنی کا انکار کردینا قطعاً صحیح نہیں؛ بلکہ صاحب کی قلت تدبر اور تفسیر میں صحابہ اور تابعین کے اقوال سے روگردانی کی واضح دلیل ہے؛ اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب نے جس معنی کی نفی کی ہے، اسی کی طرف سورۂ رعد کی آیت ﴿اللہ یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد﴾ [الرعد: ۸] "یعنی اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے کہ جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے۔" اشارہ کررہی ہے، نیز مشہور تابعی اور تفسیر کے امام قتادہؒ سے بھی یہی معنی مروی ہے، چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: "فلا یعلم ما فی الارحام اذکرام انثی "الخ" یعنی رحم مادر میں نر ہے یا مادہ اس کا قطعی علم سوائے خدا کے کسی اور کو نہیں، اسی طرح ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (۳۵۵/۶) میں، علامہ نسفیؒ نے تفسیر مدارک (۱۱۶/۳) میں اور امام شوکانیؒ نے فتح القدیر (۴۹۸/۵ میں مذکورہ آیت کا یہی معنی بیان فرمایا: لیکن ڈاکٹر صاحب ان اکابر مفسرین کے بیان کردہ معنی کو غلط ٹھہرا کر اپنے بیان کردہ معنی کو قطعی سمجھ کر اسی پر مصر ہیں۔

صحیح جواب: آیتِ کریمہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لئے علمِ غیب کا ثابت کرنا ہے اور علم غیب درحقیقت اس یقینی علم کو کہا جاتا ہے جو کسی سبب ظاہری کے بغیر براہ راست، کسی آلے کے بغیر حاصل ہو، طبی آلات سے ڈاکٹروں کو حاصل ہونے والا علم نہ یقینی ہوتا ہے اور نہ ہی بلا واسطہ؛ بلکہ وہ محض ظنی ہے اور آلات کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا الٹرا سونوگرافی کے ذریعے حاصل ہونے والے اس ظنی علم سے قرآنی آیت پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوگا۔

(ج) ڈاکٹر صاحب آیت کریمہ ﴿یا ایھا النبی اذا جاءک المومنت یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئا﴾ [الممتحنۃ: ۱۲] کی تفسیر میں کہتے ہیں۔

"یہاں لفظ "بیعت" استعمال ہوا ہے اور بیعت کے لفظ میں ہمارے آج کل کے الیکشن کا مفہوم بھی شامل ہے؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول بھی تھے اور سربراہ مملکت بھی تھے اور بیعت سے مراد انھیں سربراہ حکومت تسلیم کرنا تھا، اسلام نے اسی دور میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق بھی تفویض کردیا تھا۔" [اسلام میں خواتین کے حقوق: ۵۰ از ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب]

یہاں بھی ڈاکٹر صاحب آیت کی غلط تشریح کرتے ہوئے، اس سے عورت کے ووٹ دینے کا حق ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بیعت کرنا، موجودہ دور کے جمہوریت کے طرز انتخاب کی ہی قدیم شکل ہے، جب کہ جمہوریت کی حقیقت سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ تشریح بالکل واقع کے خلاف ہے اور تفسیر قرانی میں اپنی عقل کا بیجا استعمال ہے؛ اس لیے کہ موجودہ جمہوریت کے مطابق سب کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ سربراہ چننے کے لیے اپنی رائے دیں اگر کسی شخص پر کثرت واتفاقِ رائے نہ ہو تو وہ سربراہ نہ بن سکے گا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت کرنا درحقیقت ووٹ لینا تھا، تو کیا ان صحابیات کو اختیار تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی تسلیم کرنے سے انکار کردیں؟

(د) سورۂ مریم کی آیت ﴿یا اخت ہارون ما کان ابوک امرا سوء وما کانت امک بغیا﴾ [مریم: ۲۸] پر نا سمجھی سے کیا جانے والا معروف اشکال- حضرت مریم علیہا السلام، حضرت ہارون کی بہن نہیں تھیں۔ اور دونوں کے زمانے میں تقریباً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ کے جواب میں فرماتے ہیں:

"عیسائی مشنری یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یسوع مسیح کی والدہ (Marry) مریم اور ہارون کی بہن مریم میں فرق کا پتہ نہیں تھا، حالاں کہ عربی میں "اخت" کے معنی اولاد بھی ہیں؛ اس لیے لوگوں نے مریم سے کہا کہ اے ہارون کی اولاد اور اصل اس سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد ہی ہے۔" [اسلام پر چالیس اعتراضات، از ڈاکٹر ذاکر

نائک]

ڈاکٹر صاحب کی، احادیث اور لغت سے نادانی اور جہالت پر مبنی اس تحقیق پر تبصرے کے طور پر مسلم شریف کی حدیث ہی کافی ہے، صحیح مسلم میں ہے: عن المغیرۃ بن شعبۃ قال: لما قدمت نجران سالونی، فقالوا: انکم تقرأون یا اخت ہارون وموسی قبل عیسی بکذا وکذا، فلما قدمت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - سالتہ عن ذلک فقال: انھم کان یسمّون بانبیائھم والصالحین قبلھم [مسلم ۶/۱۷۱، دار الجیل بیروت، رقم ۵۷۲۱] یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی وضاحت آج سے چودہ سو سال پہلے ہی کر دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم، حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون کی بہن نہ تھیں، بلکہ حضرت عیسیٰ کی والدہ کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا۔ اور یہ لوگ اپنے انبیاء اور گزشتہ برگزیدہ شخصیات کے ساتھ اپنا نام رکھا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ نہ یہ کوئی نیا اعتراض ہے اور نہ ہی اپنی جانب سے جواب گھڑنے کی کوئی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تفسیر سے متعلق احادیث سے بے خبری کس قدر ہے کہ ذخیرۂ احادیث و تفسیر سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی بجائے من گھڑت تاویل کر رہے ہیں۔

(ھ) ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب آیت کریمہ ﴿والارض بعد ذالک دحاھا﴾ [النازعات: ۱۳۰] کے متعلق لکھتے ہیں۔

''یہاں انڈے کے لیے استعمال کیا جانے والا عربی لفظ ''دحھا'' ہے جس کا مطلب شتر مرغ کا انڈا شتر مرغ زمین کی شکل سے مماثلت رکھتا ہے، لہٰذا قرآن کریم مکمل درستگی سے زمین کی شکل کی وضاحت کرتا ہے، حالانکہ اس وقت جب قرآن اتارا گیا یہ خیال کیا جاتا تھا کہ زمین چپٹی (flat) ہے۔'' [خطبات ذاکر نائک قرآن اور جدید سائنس: ۴۳-۴۴]

یہاں پر ڈاکٹر صاحب سائنسی نظریہ سے مرعوب ہونے، نیز قرآن کریم کے موضوع (جو کہ توحید و رسالت ہے اور باقی طبعیات وغیرہ کی باتیں ضمناً ہیں) کو سمجھنے کی وجہ سے، زمین

کی ہیئت کی تحقیق کرنے میں، آیت کریمہ سے غلط استدلال کرتے ہوئے آیت کی من مانی تشریح کر رہے ہیں: اس لیے کہ دحو کا لفظ و مادہ عربی زبان میں پھیلانے اور پھیلاؤ کا مفہوم رکھتا ہے، اسی کے مطابق ''دحھا'' کی تفسیر و ترجمہ زمین کو پھیلانے سے، اور اس میں موجود اشیاء کے پیدا کرنے سے کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو کہ تفسیر ابن کثیر) یہ لفظ و مادہ انڈے کے معنی میں نہیں آتا۔

(۳) احادیث نبویہ سے ناواقفیت:

ذخیرۂ حدیث سے ناواقفیت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے بہت سی جگہوں پر صحیح احادیث کے خلاف مسائل بتلائے، نیز کتنے ہی مقامات پر کسی مسئلے پر متعدد احادیث ہونے کے باوجود یہ کہہ ڈالا کہ اس باب میں کوئی دلیل نہیں، ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی احادیث سے جہالت یا دانستہ چشم پوشی کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

(الف) عورتوں کے لیے حالتِ حیض میں قرآن پڑھنے کا جواز:

ایک پروگرام ''گفتگو'' میں عورت کے خاص ایام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

''قرآن و حدیث میں نماز کی رخصت ہے؛ لیکن کسی حدیث میں نہیں کہ وہ قرآن نہیں پڑھ سکتی''

حالاں کہ ترمذی شریف میں صریح حدیث: ''لاتقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن'' یعنی جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں۔

آپ غور کیجیے کہ ڈاکٹر صاحب نے صحیح و صریح حدیث کے موجود ہونے کے باوجود، دعویٰ ہمہ دانی کرتے ہوئے اس کا انکار کر دیا۔

(ب) خون سے وضوٹوٹنے پر، احناف کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے

ڈاکٹر صاحب ایک تقریر میں خون سے وضوٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے موضوع پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"بعض علمائے کرام خصوصاً فقہِ حنفی سے متعلق علمائے کرام کے خیال میں خون بہنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، نماز کے دوران خون بہہ جانے کی صورت میں کس کو کیا کرنا چاہیے، اس سوال کے جواب میں ان کا فتوئ (احناف کا فتوئ) بہت طویل ہے تاہم ان کے اس نقطۂ نظر کی تائید میں بہ ظاہر کوئی ثبوت نہیں ہے۔" [حقیقت ذاکر نائک: ۲۱۴، م مکتبہ مدینہ دیوبند]

یہاں پر ڈاکٹر صاحب نے فقہِ حنفی سے متعلق علما پر الزام لگا ڈالا کہ وہ بلا ثبوت وضو ٹوٹنے کی بات کہتے ہیں، حالاں کہ خون سے وضوٹوٹنے کے سلسلے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں، نیز صحابۂ کرام کا تعامل بھی اسی پر رہا، ذیل میں چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اخرج البخاری عن عائشه – رضی الله عنها – قالت : جاء ت فاطمة بنت ابی حبیش الی النبی – صلی الله علیه وسلم – فقالت : یا رسول الله ! انی امراة استحاض فلااطهر، افادع الصلاة؟ قال: لا ، انما ذلک عرق ولیست بالحیضة، فاذا اقبلت الحیضة فدعی الصلاة و إذا ادبرت فاغسلی عنک الدم قال هشام: قال ابی ثم توضئی لکل صلاةٍ حتّٰی یحییء ، ذالک الوقت

(۲) إذا رعف احدکم فی صلاته فلینصرف فلیغسل عنه الدم ثم لیعد وضوء ه ویستقبل صلاته اخرجه الدار قطنی. یعنی دورانِ نماز اگر کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ خون کو دھولے اور وضود ہرائے۔

(۳) عن زین بن ثابت – رضی الله عنه: الوضوء من کل دم سائل. اخرجه ابن عدی فی الکامل [نصب الرایة للامام الزیعلی : ۱/ ۳۷] :یعنی خون بہنے سے

وضو لازم ہو جاتا ہے۔

یہ اور ان کے علاوہ بہت سی روایات کے باوجود، ڈاکٹر صاحب نے اپنی ناواقفیت کا اظہار نہ کر کے مجتہدانہ دعویٰ کر دیا کہ بظاہر خون سے وضوٹوٹنے پر کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(ج) مرد و عورت کی نماز میں فرق کرنا جائز نہیں۔

ایک دوسرے جگہ ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے سلسلے میں فرماتے ہیں

"کہیں بھی ایک صحیح و مستند حدیث نہیں ملتی جس میں عورت کے لیے مرد سے علاحدہ طریقے کے مطابق نماز ادا کرنے کا حکم ہو، اس کے بجائے صحیح بخاری کی روایت ہے، حضرت ام درداء روایت کرتی ہیں کہ التحیات میں عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے کا حکم ہے"

یہاں ڈاکٹر صاحب کی دو باتیں سراسر غلط کہیں گے۔

(الف) نماز میں عورت کے درمیان فرق کے سلسلے میں کوئی حدیث نہیں۔

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے کا حکم دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلی بات کہہ کر ان تمام احادیث کا انکار کر دیا جن میں مردوں اور عورتوں کی نماز کے درمیان فرق کا بیان موجود ہے۔ ذیل میں چند روایتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) اخرج البخاری عن النبی – علیه السلام – انه قال: یاایها الناس ! مالکم حین نابکم شی ء فی الصلاة، اخذتم فی التصفیق، انما التصفیق للنساء [۱/ ۱۷۴ ،رقم الحدیث: ۲۸۴]

(۲) عن وائل بن حجر قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: یا وائل بن حجر! اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک و المراة تجعل تدیها حذاء ثدیها[المعجم الکبیر للطبرانی]

(۳) عن یزید بن ابی حبیب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّعلی

امراتین تصلیان فقال: اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض . فان المرأة لیست فی ذلک کالرجل [اخرجه ابو داؤد مرسلاً والبیهقی موصلا]

(۴) سئل ابن عمر کیف کن النساء یصلین علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم – قال : کن یتربعن ثم امرن ان یتحفزن [جامع المسانید والسنن]

ان روایات میں مردوں اور عورتوں کی نماز میں مختلف طرح کا فرق کا ذکر ہے۔ان کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں، اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتابوں میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ اور جہاں تک دوسری بات یعنی بخاری شریف میں عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے سے متعلق حکم نبوی کی بات تو بات یہ ایک غلط انتساب ہے، حضرت ام الدرداء کی جس روایت کا ڈاکٹر ذاکر صاحب نے حوالہ دیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:"وکانت ام الدرداء تجلس فی صلاتها جلسة الرجل وکانت فقيهة" [بخاری شریف: ۱/۱۱۴]

اس میں کہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ ایک صحابیہ کا عمل ہے، جس کا ذکر کر کے امام بخاری نے اشارہ بھی کر دیا کہ وہ خود فقیہہ تھیں وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کرتی تھیں، نیز امام بخاریؒ نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے، سند ذکر نہیں کی ہے۔

(۳) ائمہ مجتہدین کے اتباع سے فرار اور مسائل فقہیہ میں سوادِ اعظم کی راہ سے نمایاں انحراف ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب اپنی تحریرات اور تقریرات کی روشنی میں کسی امام کے متبع معلوم نہیں ہوتے۔ بلکہ اباحیت، جدت پسندی نیز غیر مقلدیت اور لامذہبیت کے شکار ہیں۔صرف یہی نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کسی متعین امام کی تقلید نہیں کرتے بلکہ علماء کی تقلید کرنے والے مخلص عوام کو عدم تقلید کی روشنی اپنانے کی تعلیم دیتے ہیں۔اور اپنے بیان کردہ مسائل میں کہیں بھی کسی امام، کہیں کسی امام کا قول واستنباط کردہ حکم کو اپنی طرف منسوب کر کے نقل کرتے

ہیں، اور کہیں خود مجتہدانہ انداز پر مسئلے بیان کرنے لگتے ہیں، جب کہ ان کو مسائل نقل کرنے میں متعین امام کا نام لینا چاہیے، جنھوں نے اس مسئلے کا استنباط کیا ہے، تاکہ سننے والے کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ قرآن وسنت سے صرف یہی ثابت ہے، اس کے علاوہ جو دوسری باتیں لوگوں کے عمل میں ہیں۔ چاہے وہ قرآن وحدیث سے ثابت اور ائمہ مجتہدین کا قول کیوں نہ ہو۔ غلط ہے۔ ذیل کی مثالوں سے مذکورہ باتوں کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیں:

(الف) بلا وضو قرآن چھونا جائز ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں:

"بلا وضو قرآنِ کریم چھونے کی اجازت ہونی چاہیے" الخ

حالاں کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ قول آیتِ کریمہ ﴿ لا یمسه الا المطهرون ﴾ نیز تمام ائمہ مجتہدین کے خلاف ہے۔

(ب) خطبۂ جمعہ عربی زبان کے بجائے مقامی زبان میں ہونا چاہیے۔

ایک موقعہ پر خطبۂ جمعہ سے متعلق ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

"میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں جمعہ کا خطبہ مقامی علاقائی اور مادری زبانوں میں دیئے جانے کا اہتمام کیا جائے تاکہ۔" الخ

حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک خطبۂ جمعہ عربی زبان میں دینے پر تو ارث چلا آرہا ہے، آج ڈاکٹر صاحب یہ دعوت دے رہے ہیں کہ خطبہ مقامی زبان میں ہونا چاہیے؛ تاکہ لوگ سمجھ سکیں، جب کہ یہ مصلحت (غیر عربی جاننے والوں کا سمجھنا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی موجود تھی، اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے خطبے میں عرب کے علاوہ عجم کے لوگ بھی شریک ہوتے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عربی زبان میں خطبہ دیا، کسی دوسری زبان میں خطبہ نہیں دلوایا، اور نہ ہی بعد میں اس کا ترجمہ کروایا، اسی طرح صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ان کے متبعین عرب سے نکل کر عجم میں

گئے، مشرق ومغرب میں اسلام پھیلایا؛ لیکن ہر جگہ ہمیشہ خطبۂ جمعہ عربی ہی میں دیا، حالاں کہ ان حضرات کو تبلیغ دین کی ضرورت آج سے زیادہ تھی، جب کہ بعض صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم عجمیوں کی زبان خوب جانتے تھے، لیکن پھر بھی خطبۂ جمعہ عربی ہی میں دیا کرتے تھے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ خلفائے راشدین صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے تعامل ومواظبت اور ساری امت کا توارث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خطبہ عربی زبان ہی میں ضروری ہے، یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی صحت کے لیے خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے، اگرچہ پورا مجمع عجمیوں کا ہو، عربی کوئی نہ جانتا ہو اور اگر عربی میں خطبہ پڑھنے والا مجمع میں کوئی نہ ہو تو لوگوں پر ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی، جمعہ ساقط ہوجائے گا۔ "لو كان الجماعة عجماً لايعرفون العربية، فلو كان ليس فيهم من يحسن الاتيان لاالخطبة عربية لم يلزمهم جمعة" [حاشية الزسوقي على الشرح الكبير : ۱/۳۷۸، نقلاً عن المقالات الفقهية] نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خطبہ کا خاص عربی زبان ہی میں ہونا ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق و مغرب میں ہمیشہ اسی پر عمل رہا ہے۔ [مصفی شرح موطا: ۱۵۲، مطبع فاروق، دہلی]

(ج) تین طلاق سے ایک ہی طلاق ہونی چاہیے:

ڈاکٹر ذاکر صاحب فرماتے ہیں:

"تین طلاق کے لیے اتنی شرائط ہیں، جن کا پورا ہونا ناممکن ہے، سعودیہ کے تین سو فتوے موجود ہیں؛ اس لیے طلاق ایک ہے۔ آج کے حالات کے مطابق ایک ہونی چاہیے"۔ [خطبات ذاکر نائک بحوالہ حقیقت ذاکر نائک ۱۳۳]

حالانکہ صحابۂ کرام، تابعین عظام ائمہ اربعہ اور جمہور امت، نیز موجودہ دور کے سعودیہ عربیہ کے تمام معتبر علما کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہے ایک نہیں، اس مسئلے میں پوری تاریخ میں کسی معتبر عالم کا اختلاف نہیں، سوائے علامہ ابن

تیمیہ" اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیم کے؛ لیکن پوری امت (جن میں بڑے بڑے تابعین، چاروں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ شامل ہیں) کے مقابلے میں ان دو حضرات کی رائے قطعاً قابل اتباع نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب ایسے اجماعی حکم کے خلاف مسئلہ بیان کر کے امت کو گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ حکم یعنی تین طلاقوں سے تین ہی طلاق کا واقع ہونا قرآن کی آیت، بے شمار احادیث اور صحابۂ کرام کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہے چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وقال الليث عن نافع كان ابن عمر اذاسئل عمن طلق ثلاثا قال لو طلقت مره اومرتين (لكان لك الرجعة) فبان النبى صلى الله عليه وسلم امرنى بهذا(اى بالمراجعة) فان طلقها ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجا غيره [بخاری شریف، ۲: ۷۹۲، نیز ۲: ۸۰۳]

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے جب اس شخص کے متعلق سوال دریافت کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں، تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاق دی ہوتی (تو رجوع کرسکتا تھا) اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کا (یعنی رجعت کا) حکم دیا تھا اور اگر تین طلاقیں دیدے تو عورت حرام ہوجائے گی، یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۲) عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال: انه طلق امرأته ثلاثا، قال: فسكت حتى ظننت انه رادّها اليه، ثم قال: ينطلق احد كم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس ياابن عباس فان الله عزوجل قال ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجا﴾ عصيت ربك وبانت منك امراتك [اخرجه ابوداؤد : ۱/۲۹۹، باب فى الطلاق على الهزل، رقم ۱۸۷۸]

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کے پاس تھا، کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ

اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، فرماتے ہیں کہ حضرت عباس خاموش رہے میں سمجھا کہ وہ اس کی بیوی کو لوٹادیں گے (رجعت کا حکم دیں گے) مگر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت ۔ بیٹھا ہے (تین طلاق دیدیتا ہے) پھر چلاتا ہے ابن عباس! ابن عباس! تو (سنو!) ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے راہ نکالتے ہیں۔ تم نے تو اپنے رب کی نافرمانی کی (تین طلاق دیدی) اس لیے تمہاری بیوی تم سے جدا ہوگئی۔

(۳) وعن مالک بلغہ: ان رجلا قال لعبد اللہ بن عباس: انی ظلقت امراتی مائۃ تطلیقۃ، فما ذا تری علی؟ فقال ابن عباس: طلقت منک بثلاث، وسبع وتسعون اتخذت بھا آیات اللہ ھزوا [اخرجہ الامام مالک: ۱۹۹]

حضرت امام مالکؒ کو یہ روایت پہنچی کہ ایک آدمی نے عبد اللہ ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدیں، آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو ابن عباسؓ نے جواب دیا: (ان میں سے) تین طلاقیں تیری بیوی پر پڑگئیں اور ستانوے طلاقوں سے تو نے اللہ کی آیتوں کا کھلواڑ کیا۔

(۴) عن مالک بلغه: ان رجلا جاء الی عبد الله ابن مسعود فقال: انی طلقت امراتی ثمانی تطلیقات، قال ابن مسعود، فماذاقیل لک؟ قال: قیل لی: انها قد بانت منی فقال ابن مسعود صدقوا (الحدیث) [الموطاللامام مالک: ۱۹۹]

حضرت مام مالکؒ کو یہ روایت پہنچی کہ ایک آدی عبد اللہ ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا: میں اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی حضرت ابن مسعودؓ نے پوچھا کہ لوگوں نے تمہیں کیا کہا؟ اس نے جواب دیا کہ میری بیوی بائنہ ہوگئی۔ تو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: سچ کہا۔ (یعنی تین طلاقیں پڑگئیں)

(۵) حدثنا علی بن محمد بن عبید الحافظ نا محمد بن

شاذان الجوهری نامعلی بن منصور ناشعیب بن رزیق ان عطاء الخراسانی حدثهم عن الحسن قال نا عبد الله بن عمر انه طلق امراته تطلیقة وهی حائض ثم اراد ان یتبعها بتطلیقتین اخریین عند القرایین فبلغ ذلک رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا ابن عمر ماهکذا امرک الله انک قد اخطات السنة. والسنة ان تستقبل الطهر فیطلق لکل قرء قال فامرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم فراجعتها ثم قال اذا هی طهرت فطلق عند ذالک او امسک فقلت یا رسول الله ارایت لو انی طلقتها ثلثا اکان یحل لی ان اراجعها قال لا، کانت تبین منک وتکون معصیة [سنن دار قطنی، ۲: ۴۳۸، زاد المعاد، ۲: ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبة بحواله عینی شرح کنز: ۱۴۱، سنن دار قطنی، ۴: ۳۱، مطبوعه قاهرة]

حضرت حسن کا بیان ہے کہ ہم سے حضرت ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ انھوں نے اپنی اہلیہ کو حالتِ حیض میں ایک طلاق دیدی پھر ارادہ کیا کہ دو طہروں میں بقیہ دو طلاقیں دیدیں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلا ہوئی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اس طرح اللہ نے تم کو حکم نہیں کیا ہے، تم نے سنت طریق کے خلاف کیا (کہ حالت حیض میں طلاق دیدی) سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کا انتظار کیا جائے اور ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجوع کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ میں نے رجوع کرلیا پھر فرمایا جب وہ پاک ہوجاوے تو تم کو اختیار ہے چاہو تو طلاق دیدینا یا اس کو روکے رکھنا، حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لیے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ حضور نے فرمایا نہیں، اس صورت میں بیوی تم سے جدا ہوجاتی اور تمہارا یہ فعل (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا۔

آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا حدیثوں میں تین طلاق سے تین ہی طلاق کے واقع

ہونے کا حکم ہے۔ان کے علاوہ اور بہت سی روایتیں صراحۃً اس پر ولالت کرتی ہیں کہ تین طلاقوں سے تین ہی طلاق واقع ہوں گی، ایک نہیں۔

نـــــوٹ: ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب نے اپنی تقریر میں سعودیہ کے تین سو علما کے فتاوے کا حوالہ دیا، پھر اپنی رائے بھی پیش کی، لیکن یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ کون سے علما ہیں جب کہ سعودی عرب کی تحقیقاتِ علمیہ کے موقر مفتیان نے تین طلاق کے تین ہی طلاق کا فتویٰ دیا ہے قرارداد اس طرح ہے:

" بعد الاطلاع علی البحث المقدم من الامانة العامة لهيئة كبار العلماء والمعد من قبل الجنة الدائمة للبحوث والافتاء فی موضوع "الطلاق الثلاث بلفظ واحد" و بعد دراسة المسالة وتداول الرای واستعراض الاقوال التی قبلت فيها ومناقشة ماعلی كل قول من ايراد توصل المجلس باكثريته الی اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثا...... الخ [

مجلۃ البحوث الاسلامیہ، المجلد الاول، العدد الثالث سنۃ ۱۳۹۷ھ]

''مسلمانوں کو ایسا طریقہ اپنانا چاہیے کہ پوری دنیا میں ایک دن عید ہو سکے''

ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے ارشادِ نبوی " صوموا الروية وافطروا الرويته " ''یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقلِ سلیم کے بھی خلاف ہے'' اس لیے وحدتِ عید کا مسئلہ اصل میں اس بنیاد سے پیدا ہوتا ہے کہ عید کو ایک تہوار یا ملکی تقریب یا قومی ڈے قرار دیا جائے، مگر یہ انتہائی غلط سوچ ہے، اس لیے کہ ہماری عیدین، رمضان اور محرم کوئی تہوار نہیں، بلکہ سب کی سب عبادات ہیں، نیز اوقات کا ہر ملک ہر خطہ میں وہاں کے افق کے اعتبار سے مختلف ہونا لازی ہے، ہم ہندوستان میں جس وقت عصر کی نماز پڑھتے ہیں اسی وقت واشنگٹن میں صبح ہوتی ہے، جس وقت ہم ہندوستان میں ظہر کی نماز ادا

کرتے ہیں، اس وقت لندن میں مغرب کی نماز ہو چکی ہوتی ہے، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک میں جمعہ کا دن ہوتا ہے تو دوسرے میں ابھی جمعرات ہے اور تیسرے میں سنیچر کا دن شروع ہو چکا ہے۔ان حالات میں کسی ایک دن میں پوری دنیا والوں کے عید منانے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

الغرض ان تنقیدات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب بہت سے مسائل میں اہل سنت والجماعت کے عقائد سے ہٹے ہوئے ہیں، قرآن وحدیث کی تشریح میں لغت عرب اور سلف سے منقول تفاسیر کو نظر انداز کر کے عقل خام کی مدد سے تفسیر کر کے تحریف معنی کے شکار ہیں، نیز وہ (ڈاکٹر صاحب) علوم شرعیہ اور مقاصد شریعت سے گہری واقفیت نہ ہونے کے باوجود کسی امام کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ الٹے وہ ائمہ مجتہدین پر تنقید کرتے ہیں، اس لیے ان (ڈاکٹر صاحب) کی باتیں ہرگز قابل اعتبار نہیں، ان کے پروگرام کو دیکھنا، ان کے بیانات سننا اور بلا تحقیق ان پر عمل کرنا سخت مضر ہے اور چونکہ واقعی تحقیق کرنا ہر کس و ناکس کی بات نہیں، اس لیے ان کے پروگرام سے عامۃ المسلمین کو احتراز کرنا ضروری ہے۔نیز ہر مومن کو یہ بات ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہیے کہ دین کا معاملہ، جو ایک حساس معاملہ ہے، انسان دین کی باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے، صرف آخرت میں نجات پانے کے لیے، اس میں صرف نئی نئی تحقیق، برجستہ جوابات، حوالوں کی کثرت اور لوگوں میں بہ ظاہر مقبولیت دیکھ کر، بلا تحقیق کسی کی بات پر ہرگز عمل نہیں کرنا چاہیے، بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ وہ غور کر لے کہ وہ آدمی دینی علوم میں کیا اہلیت رکھتا ہے؟ کن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے؟ کس ماحول میں اس کی پرورش ہوئی، اس کی وضع قطع، لباس، ہیئت دیگر علما صلحا سے میل کھاتی ہے یا نہیں؟ نیز معاصرہ قابل اعتماد علماء اور مشائخ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اسی طرح یہ بھی دیکھنا لینا ضروری ہے کہ اس سے متاثر ہونے والوں اور اس کے گرد جمع ہونے والوں میں صحیح دینی شعور رکھنے والے کتنے ہیں اور دینی خدمات سے وابستہ معتبر لوگ کس حد تک؟ اگر کچھ معتبر لوگ قریب ہیں تو ان سے معلوم

کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ کیوں قریب ہیں؟ ایسا تو نہیں کہ کسی غلط فہمی، معلومات کی کمی یا کسی مصلحتِ مزعومہ کے تحت وقریب دکھائی دے رہے ہوں؟ حاصل یہ ہے کہ ان تمام باتوں کی تحقیق کے بعد اگر اطمینان ہوجائے تبھی دینی معاملے میں اس کی باتیں قابل اعتبار اور لائق عمل ٹھہریں گی، ورنہ اس سے دور رہنے ہی میں ایمان کی سلامتی ہے، مشہور تابعی محمد بن سیرین کا مقولہ ہے: ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم''، یعنی دین کی باتوں کو سننے اور سیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ خوب غور کر لو کہ کیسے لوگوں سے علم حاصل کر رہے ہو اور دین سیکھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

زین الاسلام قاسمی الہ آبادی
نائب مفتی، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۲/۳/۲۰ھ=۲۰۱۱/۲/۲۴ء

الجواب صحیح

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ — محمود حسن غفرلہ بلند شہری

وقار علی غفرلہ — فخر الاسلام عفی عنہ

☆☆☆